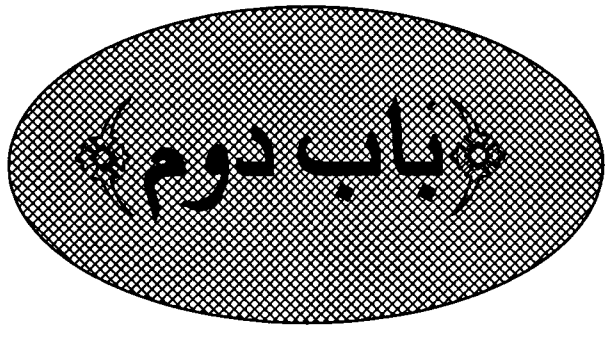

کلامِ اقبالؔ کی شرحیں

علّامہ اقبال اردو اور فارسی ادب میں ایسے شاعر گذرے ہیں جنھیں نہ صرف اپنی حیات میں عوام وخواص میں مقبولیت حاصل ہوئی بلکہ ان کے انتقال کے بعد اس مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا، اور آج ادب میں ایک اہم اور مستقل موضوع ''اقبالیات'' کا اضافہ ہو چکا ہے۔ اقبال کو مقبولِ عام بنانے میں جہاں ان کا خونِ جگر شامل رہا ہے وہاں ان ماہرینِ اقبالیات نے بھی اس میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ انھوں نے اقبال کے افکار وخیالات کو عام فہم بنا کر اقبال کو سمجھنے کے لئے شرحوں کے ذریعے بھی راہ ہموار کی۔ چنانچہ ان شرحوں کو اگر اقبالیات کے موضوع کے ایک اہم حصے سے تعبیر کیا جائے تو غالباً غلط نہ ہوگا۔

شارحینِ اقبال نے اپنی اپنی استعداد اور اندازِ فکر کے مطابق اقبال کے کلام کی شرحیں لکھی ہیں۔ ان شارحین میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر محمد باقر، سید عبدالرشید فاضل آقائے رازی، محمد عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، ڈاکٹر عارف بٹالوی، آقا بیدار بخت، مولانا صبغتہ اللہ بختیاری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بعض شارحین نے اقبال کے کلام کی شرحیں لکھنے کے علاوہ ان

پر مبسوط کتابیں اور مضامین بھی لکھے ہیں۔ اُردو کے مایہ ناز نقاد پرو فیسر کلیم الدین احمد نے اپنی تصنیف ''اقبال۔ ایک مطالعہ'' کے آخری حصے میں اہم نظموں کے فکر وفن کی تشریح کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی کی کتاب ''اقبال کا نظام فن'' کا بڑا حصہ نظموں کی تشریح پر مشتمل ہے۔ جس میں شرح وتفسیر کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے اقبال کی نظموں کے تجزیہ پر ایک مستقل تصنیف ''اقبال کی تیرہ نظمیں'' لکھی ہے جس میں ان کی معروف نظموں کے فکر و فلسفہ اور شعر وفن کی سب سے بیش تر شرح موجود ہے۔ اُردو میں اچھی شرحوں کی بے حد کمی ہے یوسف سلیم چشتی واحد شارح ہیں جنھوں نے علامہ اقبال کی تمام اردو اور فارسی شعری تصانیف کی شرحیں لکھی ہیں اور اسی لئے انہیں اقبال کا با قاعدہ شارح' ہونے کی حیثیت سے سب پر تقدم حاصل ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور غلام رسول مہر کے سوا اور کوئی دوسرا شارح نہیں جس نے ایک سے زیادہ کتابوں کی شرح لکھی ہو۔

علامہ اقبال کی فن شاعری کی قدر شناسی میں جو چیز ابتدا سے آج تک عام طور پر حاصل ہوتی رہی ہے وہ ان کی عظیم فکر ہے۔ جس

کا شہرہ اور غلغلہ اتنا زیادہ ہے کہ ان کے ناقدین اپنی پسند یا ناپسند دونوں میں اسی سے بالکل شخصی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔

علّامہ اقبال کے شارحین میں سب سے پہلا نام پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا ہے۔ پروفیسر چشتی کی شرحیں اقبال کی شخصیت اور ان کے تخلیقی شعور کو بہت حد تک واضح کرتی ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ان شرحوں نے اقبال کی روز افزوں مقبولیت میں اہم کردار ادا کیا۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اقبال کے ایک سنجیدہ طالب علم رہے ہیں۔ انھوں نے کلام اقبال کا نہایت غائر مطالعہ کیا اور اسی مطالعے کی بدولت انھیں اقبال کی شخصیت سے گہرا لگاؤ پیدا ہوا۔ مطالعے کے دوران انھیں جب کبھی اقبال کی رہنمائی مطلوب ہوتی تو وہ علّامہ اقبال سے رجوع کرتے اور ان سے مختلف مسائل اور موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ پروفیسر چشتی کی علّامہ اقبال سے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں کے دوران مختلف موضوعات اور مسائل پر گفتگو کر کے علامہ اقبال کے ارشادات کو ایک نوٹ بک (Note Book) میں محفوظ کرتے رہتے تھے۔ اقبال سے ملاقات کے مواقع اُنہیں اس

زمانے میں میسر ہوئے جب اقبالؔ انجمن حمایت اسلام کے صدر تھے ۔ پروفیسر سلیم چشتی اس انجمن کے قائم کردہ اشاعت اسلام کالج کے پرنسپل تھے۔ علّامہ اقبالؔ کو اس کالج سے بڑی دل چسپی تھی۔

جہاں تک پروفیسر چشتی کی شرحوں کا تعلق ہے ان شرحوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعر فہمی کی صلاحیتوں سے بڑی حد تک بہرہ مند ہیں۔ اردو کے علاوہ انھیں فارسی پر بھی دسترس حاصل ہے۔ علّامہ اقبالؔ کے اشعار کو قابل فہم بنانے کے لئے پروفیسر چشتی فارسی اشعار کا حوالہ دیکر قاری کے ذہن پر اُن کا گہرا نقش ثبت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علّامہ اقبالؔ کی شاعری میں قرآنی تلمیحات، احادیث نبویؐ، مذہبیات اور تصوف کے علاوہ اقبالؔ کے ماخذات جیسے مثنوی مولانا رومؔ، قرآن حکیم اور فارسی شاعری کے اکابرین مولانا رومیؔ، حافظؔ، سعدیؔ، بیدلؔ، خاقانیؔ وغیرہ پر پروفیسر موصوف کی گہری نظر ہے۔ ان اکابرین کے برجستہ حوالوں سے اقبالؔ کے اشعار کو قابل فہم بنانے کا غیر معمولی ملکہ رکھتے ہیں۔ پروفیسر چشتی زبان شناس ہیں۔ وہ شعری زبان کی خصوصیت سے گہرے طور پر واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ شعری زبان روزمرہ

کی زبان یا نثر کی ترسیلی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ پروفیسر چشتی نے ہر مجموعے کی شرح لکھتے وقت یہ التزام کیا ہے کہ کسی نظم یا غزل کی شرح سے پہلے اس کے بنیادی تصور یا مرکزی خیال پر روشنی ڈالی گئی ہے اور حسبِ ضرورت تمہید کہیں اختصار اور کہیں طوالت کے ساتھ بیان کر کے اس نظم یا غزل کی تشریح اس طرح کی ہے کہ قاری شارح کی سخن فہمی اور اظہار بیان پر مہارت کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پروفیسر چشتی نے اقبالؔ کے کلام کا مطالعہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا ہے۔ وہ اشعار جن کے مفاہیم قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں، ، کے حوالے دے کر ان آیات کا ساتھ ساتھ بھی ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں پیام مشرق کی ایک مختصر نظم ''غلامی'' بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے:۔

؎ آدم از بے بصری بندگی آدم کرد
گوہرے داشت ولے نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی زسگاں خوارتر است
من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سرخم کرد

"پروفیسر یوسف سلیم مذکورہ نظم کی تمہید اور
مفہوم بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ
یہ نکتہ قرآن کریم کی آیت
أُولٰئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ "
سے ماخوذ ہے یعنی جو لوگ نہ حق کو
سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں (اور اس لئے
انسانوں کی غلامی کرتے ہیں)
وہ چوپایوں کی طرح ہیں
بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔" [1]

پروفیسر چشتی نے علّامہ اقبالؔ کے فارسی کلام کو اردو دان طبقے کے لئے قابل فہم بنایا۔ مطالعے کے دوران انھیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے جس کے لئے انھوں نے علّامہ اقبالؔ سے رسم و راہ پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ پروفیسر چشتی اقبالؔ کے کلام کی شرحوں کے ذریعے سے قیمتی معلومات فراہم کرنے کے علاوہ بڑے پتے کی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اقبالؔ نے اپنے کلام میں اکثر و

---

[1] ڈاکٹر تسکینہ فاضل اقبالؔ نقش ہائے رنگ رنگ ص - 55

بیشر لفظ ''شاہین اور لالہ'' کا استعمال کیا ہے۔ بلکہ ''لالۂ صحرا'' کے عنوان سے تو ان کے یہاں ایک پوری نظم ملتی ہے۔ ''پیامِ مشرق'' جن حصوں پر مشتمل ہے ان میں ایک ''لالۂ طور'' بھی ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم اس عنوان کی شرح اس طرح کرتے ہیں:۔

''اقبالؔ نے اس مجموعے کو استعارۃً لالۂ طور سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ طور وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰؑ نے حسن مطلق کی تجلّی دیکھی تھی۔ اقبالؔ کے کلام میں لالہ ایک علامت ہے اسی لئے عالم نباتات میں اس کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس لئے علّامہ اقبالؔ نے اس نور کی چمک کو جو حضرت موسیٰؑ نے دیکھی تھی، لالہ سے تشبیہہ دی ہے اور چونکہ ان رباعیات میں اکثر مقامات میں حقیقت وجود سے بحث کی ہے اور ان کا مرکزی

تصور سرظہور ہے اس لئے ان رباعیات
کا عنوان لالہء طور قرار دیا ہے''۔ [1]

پروفیسر یوسف سلیم کی اقبالؔ شرحوں کا جہاں تک تعلق ہے ان کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ آسان سے آسان شعر کی بھی شرح لکھ دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کا علم بھی ہوجاتا ہے کہ بعض مقامات پر مختصر طور پر تشریح کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''پیامِ مشرق'' کی نظم ''کشمیر'' جو کہ چھ (6) اشعار پر مشتمل ہے۔ پہلے چار اشعار کی تشریح صرف ایک جملے میں یہ کہہ کر کردیتے ہیں کہ ان اشعار میں کشمیر کی وادیوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے'' چشتی کی شرحیں علاّمہ اقبالؔ کی شخصیت کو بڑی حد تک واضح کرتی ہیں پروفیسر چشتی کی شرحیں بالعموم اقبالؔ کے طالب علموں کے لئے زیادہ مفید ہیں۔

پرفیسر یوسف سلیم چشتی کے بعد سب سے اہم نام مولانا غلام رسول مہرؔ کا ہے مولانا غلام رسول مہرؔ کے علاّمہ اقبالؔ سے قریبی روابط تھے۔ مولانا مہرؔ کے نام علاّمہ اقبالؔ کے کئی خطوط ملتے ہیں جو

---

[1] ڈاکٹر تسکینہ فاضل نقش ہائے رنگ رنگ ص 62 - 61

''کلیات مکاتیب اقبال (مرتبہ سید مظفر حسین برنؔی) میں درج ہیں۔ ان خطوط کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ علّامہ اقبالؔ کو جب کبھی کس کتاب یا رسالے کی ضرورت محسوس ہوتی تو بے تکلف مہرؔ صاحب کو لکھتے۔ مولانا غلام رسول مہرؔ کا شمار اقبال شناسوں اور ان کے قریبی ارادت مندوں میں کیا جاتا ہے۔ مولانا مہرؔ نے اقبالؔ کے تین اردو مجموعوں یعنی ''بانگ درا، بالِ جبرئل اور ضربِ کلیم'' کی شرحیں تحریر کی ہیں۔ البتہ فارسی کلام میں ''اسرار و رموز'' سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور ان کی وفات سے یہ سلسلہ نامکمل رہ گیا۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور مولانا غلام رسول مہرؔ کے سوا اور کوئی دوسرا شارح نہیں جس نے ایک سے زیادہ کتابوں کی شرح لکھی ہو۔ مولانا مہرؔ نے متوازن شرحیں لکھیں ہیں۔ وہ طوالت کے عیب سے مبرا ہیں۔ اگر نظموں کا سیاسی، سماجی، تہذیبی پس منظر ضروری سمجھیں تو لکھ دیتے ہیں۔ وہ کہیں فکرِ اقبالؔ کو ترک کر کے غیر ضروری یا غیر متعلقہ بحث نہیں چھیڑتے ہیں۔

علاّمہ اقبالؔ کا کلام ان کی شخصیت اور فکر کو بڑی حد تک واضح کرتا ہے۔ اور شارحینِ اقبالؔ نے ان کے کلام کی تشریح سے ان

مفاہیم کو عام اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا مہرؔ لکھتے ہیں:۔

''اقبالؔ کے کلام کی تشریح کے سلسلے میں
زیادہ بسط و تفصیل سے کام لیا جاتا
اور ایک ایک مسئلے کو کھول کر بیان
کیا جاتا تو شرحیں بہت ضخیم ہو
جاتیں اور عام شائقین ان سے
استفادہ نہ کر سکتے، لہذا تشریح مطالب
کا ایسا انداز اختیار کیا گیا کہ کتابیں
زیادہ ضخیم نہ ہونے پائیں اور
اشعار کا مفہوم بخوبی ذہن نشین ہو جائے''[1]

بالِ جبرئیل علامہ اقبالؔ کی پہلی تصنیف ہے اور اس مجموعے کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ علّامہ اقبالؔ عظمت کے کس مقام پر فائز ہیں۔ اس کتاب میں اقبالؔ کی تعلیم زیادہ معین، زیادہ واضح اور زیادہ روشن نظر آئے گی۔ ''بالِ جبرئیل'' کی تعلیم کا خلاصہ اس کے سرورق والے شعر سے ہی واضح ہے۔

---

[1] مولانا غلام رسول مہرؔ مطالب بال جبرئیل ص 5

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں

علاّمہ اقبالؔ اس شعر کے ذریعے زندگی کے نئے آفتاب کی نمود کا پیغام دے رہے ہیں تا کہ اس دنیا کے شام و سحر کی بے کیفی ختم ہو اور ان میں تازگی و شادابی کی نئی شان جلوہ گر ہو جائے۔ بالِ جبرئل میں غزلوں کے علاوہ نظمیں، رباعیاں اور چند قطعات بھی شامل ہیں اکثر اشعار میں اقبالؔ خدا کے ساتھ شاعرانہ شوخیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

اثر کرے نہ کرے سن تو لے میری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

مولانا مہرؔ نے بالِ جبرئل کی شرح لکھتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ہر شعر کی الگ الگ تشریح کی جائے تا کہ مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ شرح کرتے وقت انھوں نے بعض اوقات وضاحت سے بھی کام لیا ہے۔ یعنی اگر شعر میں کوئی ایسا لفظ آجائے جسکی وضاحت ضروری ہے وہاں مہر صاحب نے بالکل

تفصیل سے کام لیا ہے۔ مثال کے طور پر

تو ابھی رہگذر میں ہے قید مقام سے گذر
مصر و حجاز سے گذر، پارس و شام سے گذر

اے مسلمان! تو ابھی راستے میں ہے اور منزل مقصود پر نہیں پہنچا، اسلئے تجھے کسی مقام کا پابند نہ ہونا چاہئے۔ اپنے اوپر پابندی عائد کرے گا تو منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا۔ لہذا تجھے مصر یا حجاز، ایران یا شام وغیرہ کی حد بندیوں سے اپنے آپ کو وابستہ نہ کرنا چاہئے۔ اقبال کا یہ عام مضمون ہے اور بیسیوں مرتبہ اسے مختلف رنگوں میں دہرایا ہے۔ اس شعر میں بالکل اچھوتا انداز اختیار کیا گیا ہے استدلال بھی بالکل اچھوتا ہے؛ یعنی مسلمان کا مقصد اس دنیا میں ابھی تک پورا نہیں ہوا اور جب تک یہ مقصد پورا نہ ہوا، سے یورپ کا وہ سیاسی تصور قومیت اختیار نہ کرنا چاہئے جسے عام طور پر جغرافیائی تصور قومیت کہتے ہیں۔ یعنی ہر ملک کی الگ قومیت' مسلمان اگر اسے اختیار کرے گا تو وہ اپنا نصب العین پورا نہ کر سکے گا۔ ایسی مثالیں بالِ جبرئل کی شرح میں جگہ جگہ پڑھنے کو ملیں گی۔

بالِ جبرئل کی ہی ایک شاہکار نظم ''مسجد قرطبہ'' ہے۔ مہر

صاحب نے اس نظم کی شرح لکھنے سے پہلے اس مسجد کی عظمت وافادیت پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ مولانا مہر مسجد کی خصوصیات بیان کر کے مسلمانوں کو ماضی میں لے جاتے ہیں لیکن شرح سے پہلے مولانا مہر اس مسجد کی خصوصیات بیان کرتے ہو لکھتے ہیں:۔

''یہ نظم بھی ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی جس کا پرانا جاہ وجلال گو باقی نہیں رہا۔ لیکن وہ اب تک صفحۂ ہستی پر موجود ہے۔ اسکی بنیاد عبدالرحمٰن اول نے رکھی تھی جو ہسپانیہ سلطنت کا بانی تھا۔ پھر اس میں مختلف اضافے ہوتے رہے۔ مسجد کا طول چھ سو بیس فٹ اور عرض چار سو چالیس فٹ تھا۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی مسجد تھی جس میں ایک ہزار چار سو سترہ ستون تھے' جن کی جلا کا یہ عالم تھا کہ انسان ان میں اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔ مسجد کی مختلف دیواروں میں اکیس (21) دروازے تھے جن پر پیتل کا بے حد خوبصورت کام کیا گیا تھا۔ اس کا مینار جس سیاذان کہی جاتی تھی ایک سو آٹھ فٹ بلند تھا۔ چوٹی پر چاندی اور سونے کے سیب نما گولے نصب

کر دئے گئے تھے۔ روشنی کے لئے مسجد میں دوسواسی (280) بلوری جھاڑ آویزاں تھے۔ سب سے بڑے جھاڑ میں موم کی چودہ سو بتیاں جلتی تھیں ان کے علاوہ پیتل کے سات ہزار چار سو پچیس پیالے دیواروں میں لگے ہوئے تھے، جن میں تیل بتی سے روشنی ہوتی تھی۔ مسجد کا منبر آبنوس، صندل اور ہاتھی دانت کے چھتیس ہزار ٹکڑوں کو سنہری کیلوں سے جوڑ کر بنایا گیا تھا اور اس کی تیاری میں سات سال لگے تھے۔'' [1]

غرض یہ مسجد عجوبۂ روزگار تھی اندلس کے بڑے بڑے علماء نے اس میں تعلیم پائی تھی۔ علاّمہ اقبالؔ نے اس مسجد کی عظمت زائل ہوجانے سے کم وپیش پانچ سوسال بعد اسے دیکھا اور جو اثرات قبول کئے ان کا نقشہ نظم میں کھینچا ہے:

ترے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو، جس میں نہ دن ہے نہ رات

''بانگ درا'' علاّمہ اقبالؔ کے اردو کلام کا پہلا مجموعہ ہے اور اس مجموعے کو مختلف وجوہات کی بناء پر ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مثلاً اسی مجموعے میں کمال فکر کی گلکاریاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جیسے

---

[1] مولانا غلام رسول مہر مطالب بانگِ درا ص - 165 - 166

قدرتی مناظر پر نظمیں، قومی نظمیں، فلسفیانہ نظمیں، غزلیں، مرثیے وغیرہ۔ حسن خیال اور دلاویزی بیان کے ایسے رنگ کس دوسری کتاب میں نہیں مل سکتے۔ مولانا غلام رسول مہر اقبال کی شرح کے سلسلے میں ''مطالب بانگ درا'' میں رقم طراز ہیں:۔

''عزیزی شیخ نیاز احمد صاحب مدت سے اصرار کر رہے تھے کہ کلام اقبال کے لئے ایک معاون تیار کر دیا جائے۔ جو مختلف نظموں کے پس منظر، تلمیحات کی تشریح اور شعروں کے صحیح مفہوم مختصر توضیح پر مشتمل ہوتا کہ پڑھنے والوں کے لئے کلام کا سمجھنا اور اس سے استفادہ کرنا ایک حد تک آسان ہو جائے۔ لیکن اس فرمائش کو قبول کرنے سے طبیعت گریزاں تھی۔ اول اس لئے کہ اقبال جیسے شاعر کے کلام کی شرح کرنا ایک ذمہ داری کا کام تھا۔ وہ محض شاعر نہ تھے بلکہ ایک صاحب پیغام شاعر تھے جن کی زندگی اسی پیغام کی تبلیغ میں گزر گئی۔ دوسرے میری طبیعت اقبال کی مفصل سیرت مرتب کرنے پر جمی ہوئی تھی اور میں اس ضروری کام کو اپنی

ناچیز بساط کے مطابق مکمل کر دینے سے بیشتر
کوئی دوسرا کام شروع نہ کرنا چاہتا تھا۔''[1]

مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چودھری محمد حسین مرحوم کے سوا کوئی شخص نہ تھا جو
سیرت نگاری کا حق ادا کر سکتا تھا۔ سیرت کے
متعلق پورا سامان ان کے پاس جمع تھا، مگر
افسوس کہ ان کی بے وقت موت نے وہ خواب
پریشان کر ڈالا۔ ان کی وفات کے بعد یہ
طے کر لیا گیا کہ یہ کام جس طور بھی ممکن ہو انجام
پانا چاہئے۔ خصوصاً اسلئے کہ سیرت کے نام
سے جو متعدد کتابیں چھپ چکی ہیں وہ مل کر
بھی اصل ضرورت کو پورا نہیں کرتیں۔''[2]

مولانا مہرؔ کو اقبالؔ کے کلام اور تصنیفات کا از سر نو مطالعہ کر کے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اقبال کے کلام کو حقیقی مقام سے ہٹا کر ایسی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے جو غالباً اقبالؔ کے پیش نظر نہ

---

[1] مولانا غلام رسول مہرؔ مطالب بانگ درا ص ۔3-4

[2] مولانا غلام رسول مہرؔ مطالب بانگِ درا ص ۔ 4

تھی یعنی ان کا اصل مفہوم واضح نہیں ہوا ہے۔ علّامہ اقبالؔ کے کلام کی شرح کا حق وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو اصل پیغام کی روح اور تعلیم کے مختلف گوشوں سے پوری طرح آگاہ ہو۔ مولانا مہرؔ نے یہ طے کر لیا تھا۔ کہ ایسی شرحیں لکھی جائیں جن میں لفظوں کی بحث سے شعروں کے مفہوم اور ان کے مختلف مواد تک ہر شے کا احاط کیا جائے۔

اقبالؔ نے اپنے مجموعے ''بانگ درا'' کا نام اس لئے ''بانگ درا'' رکھا ہے کیونکہ اقبال کا یہ مجموعہ قوم کے لئے پیغام بیداری، تہیہ سفر اور متحدہ حیثیت میں منزل مقصود کی طرف سفر کا وسیلہ تھا ۔

اقبالؔ کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

مولانا مہرؔ اس شرح کی خصوصیات بیان کرتے ہوتے لکھتے ہیں:۔

''اس شرح کو اتنا پھیلایا نہیں گیا ہے کہ پڑھنے والے پر بار ہو یا عام خواننده اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ نہ اتنا مجمل رکھا گیا ہے کہ مفہوم تشنہ رہ جائے۔ جہاں جہاں ضروری تھا اشعار کے محاسن کی طرف بھی اشارے

کر دیئے گئے ہیں۔ اس بات کا خیال بخوبی رکھا گیا ہے
کہ اقبال کے مفہوم میں نہ اپنی طرف سے کوئی آمیزش ہو،
نہ اسے کھینچ تان کر انفرادی تصورات کے مطابق بنایا جائے
کوشش یہی رہی کہ اقبال نے جس ماحول میں خاص تاثرات
وتصورات کے پیش نظر جو کچھ کہا اسے دیانت داری سے
اسی رنگ میں پیش کر دیا جائے۔'' [1]

مولانا مہرؔ نے ''بانگ درا'' کی شرح لکھتے وقت اکثر نظموں کے اشعار درج کرنے سے پہلے مذکورہ نظم کے متعلق ضروری معلومات بھی درج کی ہیں۔ مثال کے طور پر ''شمع اور شاعر'' کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

''یہ طویل نظم اقبالؔ نے ۱۹۱۲ء میں انجمن حمایت
اسلام کے سالانہ اجلاس میں پڑھی تھی۔
اس سال اجلاس اسلامیہ کالج کے میدان
میں ہوا تھا۔ اتفاق یہ کہ انجمن حمایت اسلام
کے دو بڑے سرپرستوں سلطان احمد صاحب
اور فقیر افتخار الدین صاحب نے اصرار

---

[1] مولانا غلام رسول مہرؔ مطالب بانگ درا ص 5

کیا کہ اقبال کی نظم اُن کی صدارت میں
پڑھی جائے۔ اقبال کو مجبوراً اس امر پر
راضی کیا گیا کہ نصف نظم ایک صاحب کی
صدارت میں پڑھ لیں اور نصف دوسرے
صاحب کی صدارت میں۔ چنانچہ یہی ہوا۔
اقبال نے یہ نظم ترنم سے پڑھی تھی۔ پہلی
صدارتمیں چھ بند پڑھ کر تھک بھی گئے تھے۔
آخری چھ بند سنانے سے پہلے ایک قطعہ [1]
بھی سنایا تھا۔ جس میں دو صدروں کے
واقعہ کا ذکر تھا۔ [2]

---

[1] قطعہ یہ تھا:

ہم نشین بے ریا یم از سر اخلاص گفت — کائے کلام تو فروغ دیدہ برنا و پیر
درمیان انجمن معشوق ہر جائی مباش — گاہ با سلطان باشی گاہ باشی با فقیر
گفتمش اے ہم نشیں! معذوری دارم ترا — در طلسم امتیاز ظاہری ہستی اسیر
من کہ شمع عشق را در بزم دل افروختم — موختم خود را و سامان دوئی ہم سوختم

اس نظم کو مولانا ظفر علی خان نے اپنے پریس میں خاص اہتمام سے دس ہزار کی تعداد میں چھپوائی اور آٹھ آنے فی کاپی قیمت رکھی تھی۔ انھوں نے بھی اعلان کیا تھا کہ اس کی فروخت سے جو پانچ ہزار روپیہ وصول ہوگا۔ وہ ڈاکٹر اقبال کو دے کر تبلیغ اسلام کے لئے جاپان بھیجا جائے گا۔

---

[2] مولانا غلام رسول مہر مطالب بانگ درا ص 6, 3

مطالب بانگ درا میں اکثر ایسے مقامات بھی ہیں جہاں مذکورہ نظم کے عنوان کی بھی شرح مولانا مہر نے کی ہے۔ مثال کے طور پر ''تضمین بر شعر انیسی شاملو'' کے عنوان کی تشریح کرتے ہوئے مہر صاحب لکھتے ہیں:۔

> ''تضمین: کس کے شعر کو اپنے شعروں
> میں لانا اصطلاحاً تضمین کہلاتا ہے۔ انیسی:
> بول قلی بیگ شاملو فارسی کا مشہور شاعر تھا۔'' [1]

مولانا مہر نے بعض مقامات پر صرف نظموں کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ان نظموں میں نہ تو اشعار کا حوالہ دیا ہے نہ ہی ہر شعر کی الگ الگ تشریح کی ہے۔ مثال کے طور پر'' حقیقت حسن''۔ مولانا مہر نے اس نظم کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ نظم کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

> ''جرمن نثر میں اقبال نے جو خیال دیکھا تھا
> وہ پہلے تین شعروں میں آ گیا۔ باقی چار
> شعر اس کے شاعرانہ کمال کا نتیجہ ہیں یعنی

---

[1] مولانا غلام رسول مہر مطالب بانگ درا ص ۔252

چاند، صبح کے ستارے، صبح، شبنم، پھول،
موسم بہار، شباب کی ناپائیداری اور
بے ثباتی شاعرانہ انداز میں پیش کر کے
حسن کے فانی ہونے کا نہایت پر تاثیر
نقشہ کھینچ دیا'' [1]

علّامہ اقبالؔ ابتداء سے لیکر کے آخر تک بے لوث محبت، پرخلوص خدمت، مردانہ جدوجہد اور محکم یقین وایماں کے داعی رہے ان کی تعلیم کے اجزا ہمیشہ یہی رہے۔ وہ شروع میں بھی تفریق و تعصب یا تنگ نظری وکم حوصلگی کو برا سمجھتے تھے۔ اور بعد میں بھی ان کی یہی رائے رہی ہے۔

مولانا مہرؔ کی شرح مطالب ضرب کلیم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح انھوں نے ''بالِ جبرئل'' اور ''بانگ درا'' میں اشعار کی تشریح کی ہے اُسی طرح سے کی مثالیں مطالب ضرب کلیم میں بھی جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مولانا مہرؔ نے شرح سے پہلے اشعار کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اور ساتھ ہی مشکل الفاظ کے معانی بھی درج کئے ہیں۔ جن سے اشعار کے مفہوم ومعانی سمجھنے

---

[1] مولانا غلام رسول مہرؔ مطالب بانگ درا ص ۔177

میں زیادہ آسانی ہوتی ہے۔ جہاں تک اقبالؔ کے مجموعے ''ضربِ کلیم'' کا تعلق ہے، ہمیں یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اس تصنیف کے آغاز ہی میں اقبالؔ نے اپنے مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ''عصرِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ ہے'' انہیں (اقبالؔ کو) عصرِ حاضر میں جو خامیاں اور خرابیاں نظر آئیں ان پر اپنے ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہے۔ اس مجموعے میں عورت کے عنوان سے ایک پورا باب ملتا ہے جو نو (9) نظموں پر مشتمل ہے۔ ان نظموں کے مطالعے سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ مرد کو عورت کا نگہبان قرار دیا گیا ہے، اور جس قوم نے اس حقیقت سے آنکھیں چرائیں اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

اس قسم کے اشعار میں پوشیدہ مفاہیم شرحوں کا مطالعہ کرنے سے ہی معلوم ہوئے۔ یعنی ایک شعر کی حقیقت سمجھنے کے لئے ان کے مطالب کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ اقبالؔ کے شارحین کی یہ کوشش

اقبالؔ کے مداحوں کو ان کے زیادہ قریب لاتی ہے۔ مولانا مہرؔ جس اندز سے شعر کی تشریح کرتے ہیں قاری کو اُسے سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں ہوتی۔ اس مجموعے میں بھی مہرؔ صاحب مطالب بیان کرنے سے پہلے ان کی نسبت ضروری معلومات قاری تک پہنچاتے ہیں مثلاً ''غلاموں کی نماز'' کی شرح سے پہلے اس کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''یہ نظم اس وقت لکھی گئی تھی، جب ترکی سے ہلال احمر کا ایک وفد لاہور آیا تھا۔ ارکان وفد نے شاہی میں مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ غالباً امام نے سجدے بہت طویل کیئے۔ رئیس وفد نے نماز کے بعد اس کے متعلق اقبالؔ سے پوچھا تو معلوم نہیں انھوں نے کیا جواب دیا، لیکن بعد میں اپنے خیالات اس نظم میں پیش کر دیئے۔''[1]

---

[1] مولانا غلام رسول مہرؔ مطالب ضرب کلیم ص ۔ 223

اس سلسلے میں آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

''نماز کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ انسان کا
تعلق خدا سے قائم رہے۔ دن میں
پانچ وقت بندہ اپنے خالق کی بارگاہ
میں حاضر ہوتا ہے۔ سجدے غیر معمولی
طور پر لمبے کئے جائیں تو ظاہر ہے کہ
قوت زیادہ لگے گا۔ ترک چونکہ اتنے
لمبے سجدوں کے عادی نہ تھے اس
لئے انھیں حیرت ہوئی اور اقبالؔ
سے سبب پوچھا۔

طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام![1]

غرض کہ مولانا مہرؔ میں بہتر شارح بننے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کی توجہ مختلف منصوبوں میں بٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس بات سے بھی انکار کی گنجائش ممکن نہیں کہ مولانا مہر کی شرحیں اقبالؔ کی شرحوں میں خاصا اضافہ کرتی ہیں یا

---

[1] مولانا غلام رسول مہرؔ مطالب ضربِ کلیم ص ۔ 224

اگر یوں کہا جائے کہ مولانا مہؔر کی شرحین اقبالیات میں نئے باب کا اضافہ کرتی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

شارحین اقبالؔ میں ایک نام ڈاکٹر عارف بٹالوی کا بھی ہے۔ ڈاکٹر بٹالوی نے اقبالؔ کی اردو تصانیف کی شرح لکھی ہے۔ فارسی زبان میں دسترس نہ ہونے کی وجہ سے انھیں علّامہ اقبالؔ کی اردو کتب کا مطالعہ کرنا پڑا۔

ڈاکٹر عارف بٹالوی نے علّامہ اقبالؔ کے کلام کا موازنہ ٹیگور (Tagore) کی ''گیتانجلی'' سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

> ''مجھے ٹیگور کی کتاب'' گیتانجلی'' کے مطالعے کا موقع ملا۔ ٹیگور کی یہ کتاب چھوٹے چھوٹے ابواب پر مشتمل ہے۔ جس میں کل ۳۰۴ ابواب ہیں۔ میں نے اس کتاب کو کئی بار پڑھا اور گہرے مطالعے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ ٹیگور کے سامنے کوئی مقصد حیات نہیں ہے بلکہ بھٹکے ہوئے راہی کی طرح زندگی

کے راستے پر ٹھوکریں کھا رہا ہے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز کھو چکا ہے اور
اسے اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر تلاش
کر رہا ہے۔ نہ قلب روشن ہے کہ عقل کوئی
چراغ جلا کر رکھ دے، نہ ہی نگاہ
میں نور ہے کہ تاریکیوں میں روشنی
پیدا ہو جائے۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب مجھے معلوم ہوا کہ ہندو قوم نے ٹیگور کو اس
کتاب پر نوبل پرائز (Noble prize) دیا تو
میں نے اپنی قوم پر آنسو بہائے جس نے حضرت
علّامہ اقبال جیسی عظیم و نادر ہستی کو داد تک نہ دی بلکہ
اس پر کفر کے فتوے صادر کر دئے۔ کروڑوں انسانوں
میں سے کسی نے اٹھ کر نہ کہا کہ اے فتوٰے دینے والوں
یہ کیسا ستم ڈھا رہے ہو۔ دیدہ وری سے کام لو اور
قدرت کی اس نعمتِ کبرٰی کو غور سے دیکھو اور توجہ

سے سنو:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدور پیدا [1]

ڈاکٹر عارف بٹالوی نے علامہ اقبال کے کلام کی جب شرح لکھی تو ان کے سامنے مختلف شارح حضرات کی شرحیں تھیں اور ان شرحوں کا انھوں نے بغور مطالعہ بھی کیا۔ لیکن جہاں تک ڈاکٹر عارف بٹالوی کی شرح کا تعلق ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے شرح سے زیادہ ترجمہ کیا ہے۔ شرح ''بانگ درا'' کی پہلی ہی نظم ''ہمالہ'' کے حوالے سے دیکھے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے حسب روایت پہلے مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں اور پھر تشریح کر دی ہے۔ لیکن متعلقہ شعر درج نہیں کئے ہیں۔ جو بہت بڑی کمی کا احساس دلاتی ہیں۔ ڈاکٹر عارف بٹالوی نے اپنی اس کمی کو خود بھی تسلیم کیا ہے لکھتے ہیں:۔

---

[1] ڈاکٹر عارف بٹالوی شرح بانگ درا ص 11

''شرح کا دستور، قاعدہ اور تقاضہ یہ ہے کہ شرح کے
ساتھ شعر متعلقہ بھی لکھا جائے۔ میں اس کمی کو نہایت دکھ
کے ساتھ محسوس کرتا ہوں۔'' [1]

ڈاکٹر عارف بٹالوی کی شرح میں یہ کمی ہونے کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس شرح کا معیار بلند نہیں ہے لیکن ان کی شرح کا مطالعہ کرنے سے شعر کا مفہوم بڑی حد تک واضح ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بعض اوقات نظموں کا موزانہ دوسرے شعراء کے کلام سے کر کے اس نظم پر پڑے پردے ہٹا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''بانگ دِرا'' کی نظم ''سرگذستِ آدم'' ڈاکٹر بٹالوی اس نظم کی شرح سے پہلے لکھتے ہیں:۔

''حضرت اقبال کی اس نظم میں ۱۱۸ اٹھارہ
اشعار ہیں۔ مرزا غالب نے جو کہا تھا کہ:

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

---

[1] ڈاکٹر عارف بٹالوی شرح بانگِ درا ص - 19

علامہ اقبال نے اپنی اس نظم میں مرزا غالب
کے اسی خیال کی ترجمانی کی ہے کہ اگرچہ
انسان عقل اور تحقیق کے بل بوتے پر زمین
سے اٹھ کر چاند تک پہنچ گیا ہے لیکن یہ اپنی
ہستی سے آگاہ نہ ہو سکا۔ عقل سے دونوں
عالم تسخیر کر لئے لیکن اپنے اندر عشق کی چنگاری
بھی نہ سلگا سکا جس کی روشنی سے اپنے خالق حقیقی
کے خدوخال کو پہچان سکے۔"[1]

بعض مقامات پر ڈاکٹر بٹالوی نظم کے عنوان کا خلاصہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ مولانا مہر کے یہاں بھی اس طرح کی مثالیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ ڈاکٹر بٹالوی بھی اسی طرح نظم کے عنوان کا خلاصہ کر دیتے ہیں تا کہ قاری کو کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے اور وہ نظم کے عنوان اور نظم کیا اشعار سے بخوبی آگاہ ہو جائے۔ مثال کے طور پر "تضمین بر شعر انیسی شاملو" عنوان کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[1] ڈاکٹر عارف بٹالوی شرح بانگ درا ص - 75 - 76

''انیسی شاملو فارسی کے شاعر تھے۔ان کا نام قلی بیگ
تھا۔ان کی اصل ترک تھی۔لیکن ایران میں پیدا ہوئے۔
جوان ہوکر ہندوستان چلے آئے اور عبدالرحیم خان خاناں
صوبیدار گجرات کے پاس ملازمت کرلی۔ان کا شعر ہے۔

وفا آموختی از ما بکارِ دیگراں کردی
ربودی گوہرے از ما نثارِ دیگراں کردی

اُردو ترجمہ: ''وفا کا سبق ہم سے پڑھا اور
وفا کے پیمان غیروں سے باندھے گئے۔موتی ہم
سے حاصل کئے اور نچھاور غیروں پر کردئے گئے۔''[1]

اس طرح کی اور بھی مثالیں ڈاکٹر عارفؔ بٹالوی کی شرح کا مطالعہ کرنے سے پڑھنے کو ملیں گی۔چنانچہ خود لکھتے ہیں:۔

''میں نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر فیصلہ کیا ہے کہ
اقبال کی چاروں اردو کتب بانگِ درا، بالِ جبرئیل،
ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کی شرحیں قلم بند کروں گا

---

[1] ڈاکٹر عارف بٹالوی شرح بانگ درا ص - 161

اگر میری ان کوششوں میں کسی قسم کی کمی رہ گئی تو اسے
اپنی علمی معلومات میں کمی محسوس کروں گا۔ میں اپنی
پوری بصیرت، پوری محنت اور ع نہات دیانت داری
سے ایک ایک شعر کو اقبال کی قرآنی بصیرت کو سمجھنے کی
کوشش کرتے ہوئے شرح قلم بند کروں گا۔" [1]

ڈاکٹر عارفؔ نے شرح بانگِ درا کی نظموں میں اگر چہ اشعار کا حوالہ نہیں دیا ہے تاہم غزلوں کی تشریح کرتے ہوئے غزل کے مطلع کا پہلا مصرعہ ضرور قلم بند کر دیا ہے تا کہ پڑھنے والا یہ جان سکے کہ کس غزل کی تشریح پڑھی جارہی ہے۔ یہ ڈاکٹر عارف بٹالوی کی عظمت ہی ہے کہ انھوں نے خود اس شرح میں موجودہ خامیوں کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کا اعتراف کیا جاسکتا ہے کہ ساتھ ہی اُن کی شرح نے علّامہ اقبالؔ اشعار کے مفاہیم کو سمجھنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

ڈاکٹر عارف بٹالویؔ کی شرح بالِ جبرئل میں بھی تشریح کی عمدہ مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں ۔بالِ جبرئل کی شرح سے پہلے ایک فہرست

---

[1] ڈاکٹر عارف بٹالویؔ شرح بانگ درا ص - 13

دی گئی ہے جس میں غزل کے پہلے مصرع یا مطلع بطور عنوان دئے گئے ہیں اور اس کے بعد ''مقدمہ'' بھی لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے بالِ جبرئل کے پہلے شعر: ''اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں'' کی تفصیل سے تشریح کی ہے، ساتھ ہی مجموعے کے ابتدائی شعر۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

کی بھی وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

''پھول کی پتی سے ہیرے کو کاٹنا قطعی ناممکن ہے لیکن یہ ناممکن بات تو ممکن ہوسکتی ہے مگر یہ کبھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ کم عقل اور بے شعور انسان کسی دانا کی بات پر مائل ہو جائے۔ یا کوئی بے وقوف انسان کسی دانا کی پند و نصیحت کا اثر قبول کرے۔'' [1]

ڈاکٹر عارفؔ نے شرح کرتے ہوئے مشکل الفاظ کے معنی درج نہیں کئے ہیں بلکہ صرف شعر کی وضاحت کی ہے جو شعر کا مفہوم

---

[1] ڈاکٹر عارف بٹالوی شرح بالِ جبرئل۔ ص ۔ 10

بخوبی واضح کرتے ہیں۔لیکن کئی مقامات پر ایسی مثالیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ جہاں مشکل الفاظ کے معانی بھی درج ہیں مثال کے طور پر نظم ''لینین'' میری نوا سے ہوئے زندہ عارف وعامی۔ ڈاکٹر عارف بٹالوی شرح کرتے ہوئے طویل بحث نہیں چھیڑتے' ہاں جہاں کسی شعر کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہاں تفصیل سے تشریح کر دیتے ہیں مثالی کے طور پر۔

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم
گذر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم!

تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''موجودہ دور کے سائنس دانوں نے ایسی ایسی ایجادات
پیش کی ہیں کہ عام انسان کو جادوگری معلوم ہوتی ہے
اور انسان اس جادو سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔
اس دور میں وہی بچ سکے گا جو ان سے بڑھ کر علم کا جادو
رکھتا ہو اور حضرت موسیٰؑ کے عصا کی طرح بڑا سانپ

بن کر چھوٹے سانپوں کو نگل جائے۔ اب یہ عصا صرف
اسلامی تعلیمات ہی پیدا کر سکتی ہے، یہی تعلیم ان کے
جادو کا توڑ ہے۔ یہی تعلیم یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ تمہاری
سائینس کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لے قرآن کا علم ہمیشہ
اس سے آگے آگے رہے گا۔ جب تک ان سائینسدانوں
کو قرآن سے واقف نہ کرایا جائے گا یہ اپنی کبریائی
منواتے رہیں گے۔'' [1]

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انھوں کہیں کہیں ذرا تفصیل سے کام لیا ہے ورنہ مختصر الفاظ میں ہی شعر کی تشریح کر دی ہے۔

شرح بانگ درا کی طرح شرح ''بالِ جبرئل'' میں بھی ڈاکٹر عارف نے شرح کے ساتھ شعر متعلقہ نہیں لکھا ہے۔

تاہم ان کی یہ شرح بھی کلامِ اقبال کو سمجھنے کے کئے معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ ڈاکٹر عارف نے آسان الفاظ میں شعر کے مفہوم کو سمجھانے کی سعی کی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے شرح سے زیادہ ترجمہ کیا ہے لیکن شرح میں موجود خوبیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] ڈاکٹر عارف بٹالوی شرح بالِ جبرئل۔ ص ۔ 75

سید عبدالرشید فاضلؔ کا نام مترجمین اقبالؔ کے علاوہ شارحین اقبال کے زمرے میں بھی آتا ہے۔ انھوں نے ''سلسلۂ درسیات اقبالؔ'' کے عنوان سے اقبالؔ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے اس کے علاوہ ''اسرار و رموز'' کا منظوم اردو ترجمہ فاضل صاحب اور کوکب شادانی کی متفقہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ سید عبدالرشید فاضل نے شرح بال جبر ئیلِ لکھ کر شارحین اقبال میں ایک اور نام کا اضافہ کیا ہے عبدالرشید فاضل ''شرح بالِ جبرئل'' کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''بالِ جبرئل کی متعدد شرح ہو چکی ہے۔ چنانچہ تین
شرحوں کے دیکھنے کا مجھے بھی اتفاق ہوا ہے۔ ان
شرحوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے بڑی مایوسی
ہوئی ہے۔ یہ نہ تو عام ناظر کے لئے مفید ہے
اور نہ ہی طالبِ علم کے لئے اور یہی اسباب میرے
لئے بالِ جبرئل کی شرح لکھنے کا باعث ہوئے۔''[1]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبالؔ کے مجموعہ کلام میں سے فاضلؔ صاحب نے صرب بالِ جبرئل ہی کی شرح کیوں لکھی۔ اس

---

[1] سید عبدالرشید فاضلؔ شرح بال جبرئل ص۔ ا۔ ب

کی تفصیل بھی وہ خود بیان کرتے ہیں:۔

''اس کتاب کی شرح کی ضرورت کی تکمل سے
میری مراد یہ ہے کہ اقبال نے بڑی عمدگی کے
ساتھ اس کتاب میں اپنے ان تمام افکار
کو ایک حد تک جمع کیا ہے، جو ان کی مختلف
تصانیف مین پھیلے ہوئے ہیں۔اس لئے اگر
اس کتاب کی شرح ڈھنگ سے ہوتی ہے
تو جو لوگ فارسی زبان سے نا آشنا ہیں وہ
اس شرح سے بیک وقت ان کے ان افکار
سے بھی کسی حد تک استفادہ کرسکیں گے جو
فارسی میں بیان ہوئے ہیں۔[1]

علّامہ اقبالؔ کا اردو مجموعہ کلام ''بالِ جبرئیل'' جب منظر عام پر آیا تو اس کا نہایت پر جوش خیر مقدم کیا گیا کیونکہ یہ مجموعہ ایک مدت کے بعد منظر عام پر آیا تھا۔ اس کی یہ وجہ تھی کہ قیام لندن کے زمانے میں ایک معمولی سے واقعے سے متاثر ہو کر اقبال نے اُردو کے بجائے فارسی کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنالیا تھا' جس سے

---

[1] سید عبدالرشید فاضل شرح بالِ جبرئیل ص ۔ ب

شیدایانِ اردو میں بے چینی پیدا ہوگئی تھی اور جب یہ اردو مجموعہ انہیں ملا تو اردو کے حلقوں میں حسرت کی لہر دوڑ گئی اور ایسا ہونا قدرتی بات تھی۔

بالِ جبرئل کے عنوان سے ہی ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ ایک بلند اور پاکیزہ مضامین کا مجموعہ ہے اور ایسا کلام اردو زبان میں موجود نہ تھا۔

تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا جاچکا ہے کہ سید عبدالرشید فاضلؔ نے بالِ جبرئل کی تین شرحوں کا مطالعہ کیا تھا اور مذکورہ بالا شروح سے غلط فہمیاں پھیلیں ان کا سدِ باب بھی مطلوب تھا۔ اسی لئے بالِ جبرئل کی شرح انھوں نے درج ذیل بالا خصوصیات کی روشنی میں کی۔

سید عبدالرشید فاضلؔ شرح بالِ جبرئل کے مقدمہ میں بالِ جبر ئل کی خصوصیات کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں تا کہ قاری اس مجموعے کے کلام کے ہر اس پہلو سے باخبر ہوجائے جو اس کی مقبولیت کے

اسباب ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''بالِ جبرئل شاعری کے اعتبار سے بھی ایک اعلیٰ درجے کا شاہکار ہے' ایسا شاہکار کہ جو لوگ زبان اور فن کے اعتبار سے اقبال کی شاعری کے قائل نہ تھے انھوں نے بھی جب بال جبرئل کو دیکھا تو وہ بھی اپنے سابقہ خیال سے رجوع کر کے اقبال کو خراج تحسین ادا کرنے پر مجبور ہو گئے'' [1]

بالِ جبرئل کے پہلے حصّے میں چند غزلیں' رباعیاں اور قطعات ہیں اور آخری حصے میں چند نظمیں شامل ہیں۔

سید عبدالرشید فاضلؔ کی شرح کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے تشریح کرتے ہوئے غزل کے اشعار کو شامل نہیں کیا ہے۔ بلکہ کلیات کے مطابق غزل نمبر اور پھر شعر نمبر لکھ کر تشریح کر دی ہے۔ فاضلؔ صاحب کی شرح بالِ جبرئل کی یہ کمی قاری کے لئے مشکل پیدا کر دیتی ہے۔ کیونکہ قاری کلیات کو سامنے رکھے بغیر شرح کا مطالعہ ہی نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن فاضلؔ صاحب کی اس کو شش کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شرح باقی شارحین کی

---

[1] سید عبدالرشید فاضلؔ شرح بالِ جبرئل ص - 9

شرحوں کی طرح علّامہ اقبال کے کلام کا خلاصہ پیش کرتی ہے۔

فاضل صاحب نے ہر شعر کی تشریح تفصیلاً نہیں کی ہاں جہاں تفصیل کی ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں وضاحت سے کام لیا ہے۔

مثال کے طور پر:۔

''ما از پے سنائی و عطار آمدیم''

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا!

علّامہ اقبال نے نومبر ۱۹۳۳ء میں حکیم سنائی غزنویؒ کے مزار کی زیارت کی تھی۔ یہ نظم جس میں حکیم موصوف کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی ہے اسی موقعے کی یادگار کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اور مولانا روم کے مشہور شعر ؎

عطارؔ روح بود و سنائیؔ دو چشم او ما از پس سنائیؔ و عطارؔ آمدیم

کے دوسرے مصرعے کو جو اپنی نظم کا عنوان بنایا ہے اس سے ناظرین کو یہ بات یاد دلانا چاہتے ہیں کہ حکیم سنائیؔ کی وہ شخصیت ہے جن کے بارے میں

مولانا رومؒ یہ فرماتے ہیں کہ عطارؔ روح تھے تو سناؔئی
ان کی دو آنکھ اور ہم تو سنائی اور عطار کے بعد آئے
ہیں۔یعنی ان کے پیروکاروں میں ہیں۔ بھلا اُن
کے آگے ہمارا کیا ذکر ہے۔''[1]

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اگر کسی شعر کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے دوسرا مفہوم ذہن میں آجائے تو اس کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں۔یعنی اگر کسی شعر کے مفہوم میں دوسرا مفہوم پوشیدہ ہو تو اس کی بھی تشریح کر دیتے ہیں مثلاً:۔

''سما سکتا نہیں پنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا

اپنے جنون کے غیر محدود ہونے کو بیان کرتے ہیں کہ یہ کسی صحرا میں نہیں سما سکتا۔ بھلا ایک مومن جو سارے عالم کی ہدایت کے لئے آیا ہے اس کے جنون کے لئے صحرا کیا چیز ہے! اس کے لئے تو زماں و کاں کی وسعتیں بھی ناکافی ہیں۔طارق نے سمندر کو دیکھ کر کہا تھا کہ

---

[1] سید عبدالرشید فاضلؔ شرح بالِ جبرئیل ص ۔ 76

کاش! زمین اتنی جلدی ختم نہ ہو جاتی۔ دوسرا مطلب:
گویا ایک مسلمان کہتا ہے کہ میرا کام معمولی نہیں ہے۔
زمین ایک عالمگیر پیغام رکھتا ہوں اور جبتک ساری
دنیا میں اس پیغام کو نہ پہنچادوں چین سے نہیں بیٹھ سکتا اگر
میں کسی خاص جگہ یا وقت کو اپنے پیغام کے لئے مخصوص
و معین کر کے رہ جاؤں تو اس کے یہ معنی ہوں گیکہ میں
نے اپنے مقصدِ حیات کو نہیں سمجھا۔[1]

اس طرح کی اور مثالیں بھی شرح کا مطالعہ کرنے سے پڑھنے کو ملتی ہیں۔ سید عبدالرشید فاضل کی شرح ادبی حیثیت سے تو کوئی خاص مقام نہیں رکھتی ہے۔ البتہ تشریح کے بعض عناصر کو واضح کرنے میں ضرور نمایاں ہے۔

ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری نے بھی بالِ جبرئل شرح ''موجِ سلسبیل'' کے عنوان سے کی ہے۔ نشتر جالندھری باقی شارحین سے نسبتاً زیادہ اہم ہیں انھوں نے بعض اشعار کے مفاہیم کو سلجھانے کی اچھی کوشش کی ہے۔ یعنی آسان الفاظ میں شعر کا مفہوم

---

[1] سید عبدالرشید فاضل شرح بالِ جبرئل ص 77

لکھ دیا مثلاً:۔

''خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

عقل اور فلسفے کے پاس معلومات کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ ترے ضعفِ ایمان کی بیماری کا علاج کسی صاحب دل کی نظر کے سوا اور کچھ نہیں۔ مطلب یہ کہ عقل اور فلسفے سے انسان صرف اشیائے علم کے متعلق سرسری آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن کائنات کا راز، اس کی اصل حقیقت اور خدا کی پہچان فقط مرشدِ کامل کی باطنی توجہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور مسلمان کے ضعفِ ایمان کا مرض اسی دوا سے زائل ہو سکتا ہے۔'' [1]

نشتر جالندھری کی شرح کا مطالعہ کرنے سے کوئی خاص بات سامنے نہیں آئی، باقی شارحین کی طرح انھوں بھی نے شعر کی تشریح کم اور ترجمہ زیادہ کیا ہے۔ شرح کا مطالعہ کرنے سے ایک اور چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ انھوں نے شعر متعلقہ کہیں نہیں لکھا ہے۔ ہاں

---

[1] عبدالحکیم خان نشتر جالندھری موج سلسبیل ص - 109

نظموں کے عنوان ضرور درج کیے ہیں اور کہیں نظموں کی شرح سے پہلے ضروری معلومات بھی قاری تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں مثلاً نظم ''جاوید کے نام''۔شرح سے پہلے اس نظم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''یہ نظم جاوید کے نام لکھی گئی ہے۔جو اقبال کے چھوٹے اور نہایت عزیز فرزند ہیں۔اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے اگر عشق رسول میں ڈوب کر خودی کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا جائے۔تو انسان اپنا مقصد زندگی حاصل کرسکتا ہے۔یعنی دنیا میں خلافت الہیہ کا فریضہ انجام دے کر حیاتِ جاوید کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔بری صحبت سے بچنا چاہیے۔اور جوانی کے نشے میں چور ہو کر صراطِ مستقیم سے بھٹکنا نہ چاہیئے۔''[1]

اسی طرح کی اور مثالیں بھی اس شرح میں موجود ہیں۔نشتر جالندھری کا نام شارحین اقبال میں اضافہ تو کرتا ہے لیکن انھوں نے بالِ جبرئل کے سوا اقبال کے کسی اور مجموعے کی شرح نہیں لکھی ہے۔

---

[1] عبدالحکیم خان نشتر جالندھری موجِ سلسبیل ص - 243 - 242

علّامہ اقبالؔ کے مجموعے کلام بالِ جبرئل کے آغاز میں جوشعر درج ہے۔نشتر جالندھری نے شرح کے آغاز میں اس شعر کی تفصیلاً تشریح کی ہے لیکن شعر درج نہیں کیا ہے۔اور نہ ہی شرح سے پہلئے ''مقدمہ'' لکھا ہے جس سے اندازہ ہوسکے کہ شارح نے کس قسم کی مشکل کا سامنا تو نہیں کیا ہے؟ اور قاری بھی شارح اور شرح دونوں سے متعارف ہوجاتا ہے۔

ڈاکٹر عارفؔ بٹالوی اور نشترؔ جالندھری کی تشریح کرنے کا انداز تقریباً یکساں ہے۔نشترؔ جالندھری کی شرح بھی ترجمہ ہی لگتی ہے۔اور قاری کلیات کا سہارا لے کر ہی شرح کا مطالعہ کرسکتا ہے لیکن قاری اس سے استفاد کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا ہے۔شاید یہ کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ ان میں شارح بنے کے صلاحیت موجود تھی لیکن وہ اس کام کو آگے نہ بڑھا سکے۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی علّامہ اقبال کے اہم شارحین میں شمار ہوتے ہیں۔انھوں نے علّامہ کے تقریباً تمام اردو اور فارسی مجموعوں کی شرح کی ہے۔ان کی شرح کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرح کے اصولوں سے بخوبی واقف ہیں۔چناچہ خود لکھتے ہیں:۔

''میں نے کوشش کی ہے کہ شرح آسان زبان اور سیدھے
سادے انداز میں کی جائے اور فلسفیانہ گھتیوں سے اجتناب
برتا جائے تا کہ ایک عام قاری اور طالب علم علّامہ کے کلام
و پیغام کو پوری طرح سمجھ سکے اور یوں وہ اپنی زندگی میں
ایک تعمیری انقلاب لا سکے'' [1]

ڈاکٹر حمید یزدانی نے علّامہ کے ہر شعر کی تشریح کی ہے ۔اشعار کی شرح سے پہلے انھوں نے ہر شعر کا ترجمہ کیا ہے ۔الفاظ کے معانی لغت کے باب کے تحت دئے گئے ہیں۔

علّامہ کے فارسی مجموعوں کو سمجھنے کے لئے فارسی زبان و ادب سے واقف ہونا شارح اور قاری دونوں کے لئے ضروری ہے۔اور جو فارسی زبان وادب سے واقف نہیں ان کے سمجھنے کے لئے مشکل الفاظ کی وضاحت کی جائے ۔اس مشکل کے پیش نظر ڈاکٹر حمید یزدانی نے فرہنگ میں مشکل الفاظ ومحاورات کے معانی کے علاوہ مختلف قسم کی قرآنی ،احادیث پر مبنی اور تاریخی تلمیحات کی وضاحت

---

[1] ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی شرح پیام مشرق ص - 9

کردی ہے۔ساتھ ہی شعر میں اگر کسی شخص کا ذکر آیا ہے تو ان سے متعلق واقفیت بہم پہچانے کی غرض سے ان پر مختصر نوٹ لکھا ہے۔

ڈاکٹر یزدانی صاحب کی شرح کا مطالعہ کرتے وقت کسی قسم کی مشکل قاری کو پیش نہیں آتی۔ بلکہ بعض اوقات اس شعر کو قابلِ فہم بنانے کے لئے اردو اشعار کا کے حوالے دے کر فارسی شعر کو بڑی خوبی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ مطلوب معانی واضح ہو جائے۔مثال کے طور پر غزل نمبر ۱۸ کے چند اشعار۔

اگر چہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نہ باشی کہ عشق تنہا تیت

یعنی اگر چہ مکر وفریب کا جادو کرنے والی عقل نے لشکر اکھٹا کر لیا ہے، پھر بھی تو افسردہ نہ ہو، اس لئے کہ عشق تنہا نہیں ہے، یعنی عشق کے جزبے سچے اور ایک طرح سے قوت والے ہیں جبکہ عقل مکاریوں سے کام لیتی ہے عشق کی اس قوت کا اظہار علاّمہ نے یوں بھی ذیل کے شعر میں کیا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اسی غزل کے آٹھویں شعر کی شرح کرتے ہوئے شعر کو آسان بنانے کے لئے غالب کے اس شعر کا حوالہ دیتے ہیں۔

مرید ہمت آں رہبر

یعنی میں اس مسافر کی ہمت کا مرید ہوں جس نے ایسے راستے میں قدم ہی نہیں رکھا جس میں کوہ و دشت اور سمندر نہیں ہیں ۔گویا مشکل پسندی دراصل عزم و ہمت کی علامت ہے اور صاحب عزم و ہمت لائق عقیدت و احترام ہے۔ بقول غالبؔ ۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

ایسی مشالیں یزدانی صاحب کی شرح کا مطالعہ کر کے جگہ جگہ مل جائیں گی۔انھوں نے اقبالؔ کے علاوہ غالبؔ کے فارسی کلام کی بھی تشریح کی ہے چناچہ پیش گفتار میں رقم طراز ہیں:۔

''میری کوشش ہوتی ہے کہ جہاں تک، ممکن ہو سکے صحیح شرح ہو، اگر چہ عربی ضرب المثل ''المعنی فی بطن شاعر'' (معنی شاعر کے پیٹ میں ہوتے ہیں) کے مطابق

کوئی بھی شارح اپنی شرح کو مکمل قرار نہیں دے سکتا۔
تاہم اس سلسلے میں اپنی سی کوشش ضروری اور بنیادی
شرط ہے، جسے راقم نے 'بفضلہٖ تعالیٰ، صدقِ دل سے
پورا کیا ہے۔'' [1]

ڈاکٹر یزدانی صاحب کو پیامِ مشرق کی شرح کے دوران دوسرے فارسی واردو شعر اکے ہم مضمون اشعار یاد آئے ہیں وہ انھوں نے متعلقہ شعر کی تشریح کے آخر میں دئے ہیں تا کہ قاری کے لئے جہاں مزید وضاحت کا سامان دستیاب ہو سکے وہ اس کی دلچسپی کا بھی باعث ہے۔ مثال کے طور پر ؎

کو آں نگاہِ ناز کہ اول دلم ربود
عمرت دراز باد ہماں تیرم آرزوست

یعنی وہ نگاہِ ناز کہاں ہے جس نے پہلے پہل میرا دل لوٹا تھا (اے محبوب) تیری عمر دراز ہو، مجھے پھر اسی تیر (نگاہِ ناز) کی آرزو ہے۔ مذکورہ بالا شعر میں محبوب کی دل موہ لینے والی نظروں کی بات کی گئی ہے۔

جہاں تک یزدانی صاحب کی شرح ''پس چہ باید کرد'' کا تعلق

---

[1] ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی شرح پیامِ مشرق ص - 10

ہے اس میں ڈاکٹر موصوف نے شرح سے پہلے مثنوی کے بارے میں تقریباً تمام امور پر بات کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

''روزگارِ فقیر'' کے مئولف کے مطابق ایک موقع پر یوسف سلیم چشتی نے علاّمہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی ساری شاعری جسم ہے اور مثنوی پس چہ باید کرد۔۔۔ اس کا دل ہے۔ چشتی کا کہنا ہے کہ میری اس بات پر علامہ اس انداز سے مسکرائے جسے کسی نے دل کی بات کہہ دی ہو۔'' [1]

ڈاکٹر یزدانی صاحب کی شرح ''پس چہ باید کرد'' کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ انھوں نے ہر شعر کی الگ الگ تشریح کی ہے۔ اس دوران انھوں نے فلسفیانہ پیچیدگیوں سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے تشریح کا کام پورے غور وفکر اور توجہ سے کیا ہے۔ موصوف اس مثنوی کا پس منظر بیان کرتے لکھتے ہیں:۔

''جس زمانے میں علاّمہ اپنے علاج کے لئے بھوپال تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک رات انھوں نے

---

[1] ڈاکٹر حمید یزادانی شرح پس چہ باید کرد مع مسافر ص - 2

سرسیّد احمد خان کو خواب میں دیکھا۔ سرسید نے ان سے
کہا کہ اپنی علالت کا ذکر حضور رسالت مآب صلعم سے
کیوں نہیں کرتے ۔ جب علّامہ کی آنکھ کھلی تو
یہ شعر زبان پر تھا۔

با پرستاران شب دارم تیز
باز روغن در چراغ سن بریز [1]

پھر چند اشعار حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے ہیں۔ اس کے بعد علّامہ نے برصغیر اور خارجی ممالک سیاسی اور اجتماعی حلات پر اپنے ثاثرات کا اظہار اشعار کی صورت میں کیا ہے ۔بالآخر یہ اشعار ایک مستقل مثنوی ''پس چہ باید کرد۔۔۔'' کی صورت اختیار کر گئے۔

ڈاکٹر یزدانی صاحب نے تشریح کرتے ہوئے اشعار کے الگ الگ نمبر دئے ہیں۔ تاکہ قاری کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ انھوں نے کہیں کہیں طوالت سے اور کہیں کہیں اختصار سے کام لیا ہے۔ مثال کے طور پر۔

---

[1] ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی شرح پس چہ باید کرد مع مسافر ص - 3

سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایت عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است

یعنی میں (علاّمہ) عشق کی مملکت سے ایک نیا لشکر حرکت میں لا رہا ہوں، اس لئے کہ حرم میں عقل کی بغاوت کا خطرہ ہے۔ علاّمہ نے اپنے بیشتر اشعار میں عشق اور عقل کا موازنہ کر کے عقل پر عشق کی برتری ثابت کی ہے۔ عشق کی بناء پر انسان میں ایسے جذبے اور ولولے پیدا ہوتے ہیں جن کی بدولت وہ عظیم کارنامے انجام دیتا ہے، جبکہ عقل دلیلون ہی میں کھوئی رہتی ہے اور کوئی معمولی کارنامہ بھی انجام نہیں دیتی۔ ابتدائی اشعار میں علاّمہ نے یہی بات مختلف اشعاروں میں کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ملت اسلامیہ جذبہ عشق سے محروم ہو چکی اور یوں ذلت وخواری کا شکار ہو رہی ہے۔ میں (علاّمہ) اس میں جذبہ ہائے عشق پیدا کرنے کی کوشش کرنے میں لگا ہوں۔ عقل کی بغاوت سے مراد ہے کہ ملت اس پر بھروسہ کر رہی ہے۔

اس تشریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے ڈاکٹر یزدانی صاحب کس طرح گتھیوں کو سلجھاتے ہیں قاری کو ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ علاّمہ کے اُردو اشعار کی تشریح کا مطالعہ کر رہا ہے یا

فارسی اشعار کا۔ اسی مثنوی کی تمہید کا یہ شعر جس کی موصوف نے مختصر طور پر تشریح کی ہے۔ ؎

جذبہ ہائے تازہ اورا دادہ اند
بند ہائے کہنہ را بکشادہ اند

قدرت کی طرف سے مشرق کو نئے ولولے عطا ہوئے ہیں اور اس کی پرانی غلامی کی بیڑیاں کھول دی گئی ہیں یعنی مسلم ممالک بیدار ہو کر مغرب کی غلامی سے آزاد ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں ڈاکٹر یزدانی صاحب نے فرہنگ کے تحت مشکل الفاظ کے معانی درج کئے ہیں۔ جو اشعار کے مشکل الفاظ سمجھنے میں قاری کی مدد کرتے ہیں۔ ڈاکٹر یزدانی صاحب فارسی زبان و ادب سے بخوبی واقف ہیں۔ جس کی عمدہ مثالیں اُن کی شرحوں کا مطالعہ کرنے سے ہمارے سامنے آتی ہیں۔